اردو زبان کا اِرتقا، تراجمِ قرآن کی روشنی میں

خالد ندیم*
حافظ سراج الدین**

ABSTRACT:

Mostly historians of Urdu language has been showing different stages of Urdu through literature. Although the contributions of religious scholars and intellectuals in the promotion of Urdu language in early era have been discussed, but not in detail. Translations of different Sura of Quran had been stated in Deccan, but the first complete translation of Quran was published in 1785 by Shah Abdul Qadir, the son of Shah Waliullah. After that, over thousand translations of Quran have been done. These translations show the different shapes of Urdu language; dictions from Arabic, Persian, Turkish, European and local languages and cultural, social, political and scientific affects on Urdu language. In this article, it is tried to understand the different stages of Urdu through the translations of Quran by Shah Abdul Qadir, Shah Rafi ud Din, Deputy Nazir Ahmad, Maulana Fateh Muhammad Jalandhari, Maulana Ashraf Ali Thanvi, Maulana Ahmad Raza Khan Barelvi, Syed Abul Aala Maududi, Peer Karam Shah Al Azhari and Dr. Tahir ulQadiri.

Keywords: Quran, Translation, Urdu langugae.

اردو زبان میں قرآن کریم کے تراجم کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے میں ہمارے اکابر علما کا ایک اہم کردار ہے، جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اردو زبان کی ترقی و ترویج میں قرآنی تراجم ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے ابتدائی اردو تراجم، خالص اردو زبان میں تو نہیں ملتے، مگر عربی و فارسی کے ملاپ سے چند سورتوں اور سپاروں کے ترجمے دستیاب ہوئے ہیں۔ اردو زبان کا پہلا ترجمہ ۸۸۳ھ میں راجہ الور کی فرمائش پر کیا گیا، لیکن اُس عہد کی ہندی اور ابتدائی دَور کی اردو میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا(۱)۔ ۱۰۸۷ھ میں قدیم دکنی اردو میں عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خان کا ترجمہ وتفسیر بنام تفسیر وہابی ہوا(۲)، جب کہ عربی و فارسی کے میل جول سے تشکیل پانے والی اردو میں اوّلین ترجمہ قاضی محمد معظم سنبھلی کا تحریر کردہ ہے، جو ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء میں تصنیف ہوا۔ اسی ملی جلی زبان میں ایک ترجمہ ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء میں ہوا، جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ دونوں تراجم زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے، البتہ ان کے خطی نسخے موجود

---

* ڈاکٹر، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی برقی پتا: dr.khalidnadeem@gmail.com
** متعلم، ایم فل، شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی
تاریخِ موصولہ: ۲۶/۵/۲۰۱۵ء

ہیں۔(۳)

اٹھارویں صدی عیسوی میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ تقریباً دس تراجم کا ذکر ملتا ہے، مگر مکمل تراجم شاہ برادران کے ہیں۔ دنیا بھر کی زبانوں میں سے صرف اردو زبان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ترجمہ وتفسیر قرآن کا سب سے زیادہ لٹریچر اسی زبان میں لکھا گیا۔ ڈاکٹر احمد خان نے ایک ہزار گیارہ اردو تراجم کا ذکر کیا ہے، مگر اب یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے۔ سید عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں:

> اردو زبان، چینی کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے اور اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ الفاظ قرآنی میں سے تقریباً ستاون فی صد الفاظ اپنے اصلی تلفظ اور معانی مقررہ کے ساتھ اس زبان میں استعمال کیے جاتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان سے زیادہ تعداد تراجم قرآن مجید کی اردو میں پائی جاتی ہے۔(۴)

شمالی ہند میں پہلا باقاعدہ اور معیاری اردو ترجمہ بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہوا۔ شاہ مراد اللہ کے اس ترجمہ مع تفسیر کا نام تفسیر مرادیہ ہے۔ یہ قرآن کریم کے آخری پارے کا ترجمہ وتفسیر ہے، جو ۱۷۷۱ء کو مکمل ہوا(۵)۔ تفسیر مرادیہ میر امن کی باغ وبہار سے کم وبیش تیس سال پہلے لکھی گئی ہے۔ باغ وبہار ۱۸۰۱ء میں منظرِ عام پر آئی ہے، اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ باغ وبہار کے اسلوب کا حسن، جملوں اور فقروں کی ہم آہنگی کا حسین امتزاج ہے۔ یہ اسلوب ہمیں میر امن سے پہلے شاہ مراد اللہ کے ترجمہ وتفسیر میں نہایت حسن اور کمال کے ساتھ ملتا ہے۔ شاہ مراد اللہ نے روزمرہ کی زبان استعمال کی ہے۔ دیباچے میں لکھتے ہیں:

> کروڑوں مسلمان، جو ہندی زبان بولتے ہیں، عربی اور فارسی زبان سے کچھ واقف نہیں ہیں اور اسی لیے جن لوگوں نے متن قرآن پڑھا......ان کو قرآن کی آیتوں کی تفسیر ہندی زبان میں معنی سنانا تھا، سننے والے مرد بیبیاں بہت اخلاص اور شوق سے سنتے تھے۔(۶)

زبان و بیان کے حوالے سے موضح قرآن اور تفسیر مرادیہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> تفسیر مرادیہ کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ متروک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی، مثلاً بے (بجائے یہ)، وے (بجائے وہ)، اوپر (بجائے پر)، ہووے (بجائے ہو)، اندھیاری (بجائے اندھیرا)، ان نے (بجائے اس نے) اور اس قسم کے اور لفظ بھی ہیں، جو اَب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں۔ جملوں کی ساخت البتہ کسی قدر پرانی ہے......اس کتاب کی زبان بارھویں صدی ہجری کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔(۷)

بارہویں صدی ہجری میں اردو زبان نہ صرف ادبی زبان بن کر سامنے آئی، بلکہ ان تراجم کے باعث ایک عام فہم زبان کی صورت اختیار کرگئی۔اس سے پہلے اسلامی ریاستوں میں عقائد اور فقہی کتابوں کے تراجم تو ہو رہے تھے،مگر قرآنِ کریم کے مکمل تراجم کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔چند سورتوں اور سیپاروں کے ترجمے تو ہوتے رہے،مگر کوئی مکمل ترجمہ منظر عام پر نہ آسکا۔شاید اس کی وجہ ذخیرۂ الفاظ کی کمی تھی۔دراصل اُس وقت ابھی اردو زبان نشوونما کے ابتدائی مراحل میں تھی، دوسری طرف برصغیر میں فارسی زبان کی عمل داری ختم ہو رہی تھی۔ایسے میں اردو زبان میں ترجمہ قرآن وقت کی ضرورت بن گیا، چنانچہ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمہ قرآن کی روایت کا باقاعدہ آغاز کیا ۔ان دونوں بھائیوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ایک لفظی ترجمے کا بانی ہے اور دوسرا با محاورہ ترجمے کا۔

اردو زبان میں پہلا لفظی ترجمہ شاہ رفیع الدین نے ۱۷۸۵ء میں کیا(۸)۔یہ پہلا مکمل ترجمہ ہے،جس سے اردو ترجمہ قرآن کا آغاز ہوا۔ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے یہ ترجمہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔اردو زبان کی ترقی میں یہ لفظی ترجمہ اردو ترجمہ قرآن کی پہلی اینٹ ثابت ہوا۔جب شاہ رفیع الدین ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے تو اس وقت رفتہ رفتہ اردو زبان فارسی زبان کی جگہ لے رہی ہے۔اردو زبان فارسی زبان کی تراکیب کو اپنی زبان میں جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہے،تاکہ اردو زبان فارسی زبان کی سطح پر آجائے۔یہی اثرات ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے ہمیں شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن میں ملتے ہیں۔چونکہ مترجم نے لفظی ترجمہ کیا،اس لیے اس میں عبارت مربوط نہیں ہے۔سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

> سب تعریف واسطے اللہ کے پروردگار عالموں کا،بخشش کرنے والا مہربان،خداوند دن جزا کا۔تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم۔دکھا ہم کو راہ سیدھی،راہ ان لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر ان کے،سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے اوپر ان کے اور نہ گمراہوں کا۔

شاہ رفیع الدین کے بعد ان کے بھائی شاہ عبدالقادر نے ۱۷۹۰ء میں قرآن پاک کا موضح قرآن کے نام سے پہلا با محاورہ ترجمہ کیا(۹)۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے خیال میں،شاہ رفیع الدین کے تحت لفظی ترجمے کو دیکھ کر انھیں خیال آیا کہ اس سے معنی،مفہوم واضح نہیں ہوتے،اس لیے ایسا ترجمہ کرنا چاہیے،جس سے معنی قرآن آسان ہو جائیں۔(۱۰)

ہندوستان میں فارسی و اردو تراجم قرآن کا سہرا ولی اللہ خاندان پر ہے۔اس کے بعد اردو زبان میں سیکڑوں تراجم ہوئے،مگر جو مقبولیت شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن کو حاصل ہوئی،وہ آج بھی برقرار ہے۔سادہ،عام فہم اور مناسب و برمحل الفاظ کے چناؤ نے ترجمے کو مقبول بنا دیا ہے۔بعد کے مترجمین نے بھی اسی ترجمہ قرآن کو بنیاد بنایا۔یہ ترجمہ لفظی ترجمہ نہیں، بلکہ با محاورہ ترجمہ ہے اور اس کے جملے کی ساخت پر اردو زبان کا مزاج حاوی ہے۔اس ترجمہ قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر لفظوں کو نئے معانی کا خزینہ دے رہے ہیں،اسی لیے یہ ترجمہ اردو و ہندی لغت کا بہت بڑا خزانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔مترجم نے آسان اور سادہ الفاظ استعمال کیے ہیں،عبارت میں تسلسل اور ہم آہنگی ہے۔اس

سے پہلے ہمیں شاہ رفیع الدین کے ہاں ربط اور تسلسل نہیں ملتا، مگر شاہ عبدالقادر نے اس کمی کو پورا کر کے اردو ترجمہ قرآن کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اردو روزمرہ اور محاورہ کا استعمال بھی برمحل ملتا ہے۔ مولوی عبدالحق کے بقول: وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرے اور محاورے کا بھی خیال کرتے ہیں(۱۱)۔ مترجم نے عربی لفظ کے لیے موزوں اردو لفظ کا التزام کیا ہے۔ مثلاً عذاب عظیم کے لیے 'بڑی مار' حور کے لیے 'گوری' وغیرہ۔ اسی طرح رائج الوقت فارسی الفاظ کی جگہ مقامی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً صحت یاب کے لیے چنگا، بعد کے بجائے پیچھے وغیرہ۔ مولوی عبدالحق بجا فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ ٹھیٹ اردو میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لیے ہندی یا اردو کے ایسے برجستہ اور برمحل الفاظ ڈھونڈ کر نکالے، یہی کہ ان سے بہتر ملنا مشکل ہے(۱۲) اور بقول ڈاکٹر جمیل جالبی: مترجم نے عربی زبان کے مزاج اور لہجوں کو اردو زبان کے مزاج میں سمو دیا ہے۔ قرآن کی امیجری، اس کے الفاظ، محاورات، طرز ادا، اندازِ بیان اور زبان کا حصہ بن کر سب کی زبان پر چڑھ گئے۔(۱۳)

ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> اور نکاح میں نہ لاؤ شرک والی عورتیں جب تک کہ ایمان نہ لاویں، اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے کسی شرک والی سے، اگر تم کو خوش آوے اور نہ نکاح کرو شرک والوں کو، جب تک کہ ایمان نہ لاویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے کسی شرک والے سے اور اگرچہ تم کو خوش آوے۔ وہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف، اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو، شاید وہ چوکس ہو جائیں۔ (البقرہ ۲:۲۲۱)

حکیم محمد شریف ۱۷۲۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے(۱۴)۔ اپنے والد حکیم محمد اکمل خان کے بعد شاہ عالم بادشاہ کے دربار کے شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ حکیم محمد شریف نے شاہ عالم ثانی کے حکم سے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق، یہ ترجمہ ۱۲۱۴ھ میں مکمل ہوا۔ حکیم محمد شریف کا ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ موضح قرآن ۱۲۰۵ھ (۹۱۔۱۷۹۰ء) کے بعد ہوا۔(۱۵)

سورۃ فاتحہ کا ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> جو تعریف کہ اوّل سے آخر تک موجود ہے، لائق ہے واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے، تمام عالموں کو، بخشنے والا وجود کا آخرت میں، مہربان داخل کرنے بہشت کے سے، مالک دن قیامت کے کا، تصرف کرنے والا اوس دن جو چاہے گا کرے گا، خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور بندگی تیری سے، دیکھا تو ہم کو راہ سیدھی، بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق کے، راہ اون آدمیوں کی جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔

حکیم صاحب نے باوجود ترتیب لفظی کے تشریحی ترجمہ کیا ہے، اس کی زبان بھی شاہ برادران کے تراجم کی زبان ہے۔ حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں، لیکن مولوی عبدالحق کے خیال میں یہ ترجمہ ہے، جس میں کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمہ کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے......اس کی زبان کو شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمہ کے مقابلے میں زیادہ صاف قرار دیا ہے، جس میں لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی اور اردو زبان کی ترتیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے؛ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں، بلکہ ریختہ میں ترجمہ کیا ہے۔(۱۶)

انیسویں صدی عیسوی بھی اردو تراجم کے لیے اہم ثابت ہوئی۔ اس عہد کا پہلا ترجمہ ۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ڈاکٹر گل کرسٹ کے حکم پر علما کی ایک کمیٹی نے کیا، لیکن یہ ترجمہ شائع نہ ہوسکا۔ اس صدی میں چند تراجم ہوئے، مگر کوئی خاص ترجمہ منظر عام پر نہ آسکا۔ غیر مطبوعہ تراجم کی تعداد تقریباً پچیس ملتی ہے، البتہ اس صدی کے آخر میں ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۹۶ء) اور فتح محمد جالندھری (۱۹۰۰ء) کے تراجم منظرِ عام پر آئے۔ درحقیقت یہ تراجم بیسویں صدی کے تراجم کی روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔

ان تراجم قرآن نے اردو ترجمہ قرآن کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ زبان و بیان کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ زبان سادہ اور صاف ہے۔ اس سے پہلے بالعموم لفظی تراجم تھے۔ ان تراجم میں جملوں کی وہ ساخت نہ بن سکی، جو بعد کے تراجم میں ہمیں ملتی ہے۔ دراصل زبان تہذیب و ثقافت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین کے بقول:

> ارتقاے لسانی کے اعتبار سے چالیس پچاس برس بعد ترجمہ قرآن کی زبان کی چاشنی کم ہوجاتی ہے اور پھر الفاظ، اصطلاحات کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ دوسری طرف ہر عہد کے علما کی کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے عہد کے خیالات و افکار و فلسفہ کے پیشِ نظر قرآن کا عصری تناظر میں ترجمہ کریں، تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر عہد کا انسان اپنے خیالات کا اظہار اپنے مخصوص انداز میں کرنا چاہتا ہے۔(۱۷)

مولوی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس کی زبان شائستہ اور شگفتہ ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ کو سب سے آسان اور روزمرہ کا ترجمہ قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں موصوف شستہ اور بامحاورہ زبان لکھنے میں اپنی مثال آپ ہیں(۱۸)۔ مترجم نے اردو نثر میں پہلا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ کیا ہے۔ صرف عیب یہ ہے کہ محاوروں کا بے جا استعمال کرتے ہیں، جو اُن کے ترجمہ قرآن میں نظر آتے ہیں، وہ اُن کے ناولوں اور قصوں میں تو سما جاتے ہیں، مگر قرآنِ پاک جیسی مقدس کتاب میں بُری طرح کھٹکتے ہیں۔ مگر یہ ترجمہ قرآن ایک عام فہم اور بامحاورہ ہے۔ مولوی عبدالحق رقم طراز ہیں:

> قرآن پاک کا یہ پہلا ترجمہ ہے، جس میں اس عبارت کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ علاوہ زبان کی سلاست

اور فصاحت کے، جہاں تک ممکن ہو، اس کا زور اور اس کی شان قائم رہے۔ مولانا در اصل عربی اور اردو کے بے مثل ادیب تھے اور زبان کا خاص ذوق تھا، اس لیے ترجمے میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں، جو ہونی چاہیں۔ مسلسل پڑھتے جایئے، سارے مطالب سمجھ میں آتے جاتے ہیں اور فصاحت وادبیت کا لطف ایسا کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے...... یہ صرف دینی خدمت ہی نہیں، بلکہ اردو ادب کی بھی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔(۱۹)

ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

یہ لوگ مسلمانوں کو کیا بنائیں گے، حقیقت میں اللہ ان کو بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے ٹامک ٹوئیے مارا کریں۔(البقرہ۲:۱۵)

مولانا فتح محمد خان جالندھری کے ترجمہ قرآن فتح الحمید کو اردو زبان وادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں امرتسر سے، اس کے بعد ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں رفاہ عام پریس لاہور سے شائع ہوا(۲۰)۔ مولانا جالندھری نے ترجمہ قرآن میں سادہ اور عام فہم اسلوب اپنایا۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین رقم طراز ہیں:

ترجمہ فتح الحمید میں ان کا اسلوب نہایت سلیس، سادہ اور عام فہم ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ ترجمہ عوام میں بہت مقبول ہوا۔ ان کے ترجمہ میں مشکل پسندی قطعاً نہیں ہے۔ آسان ترین الفاظ اور بندشوں کا استعمال کیا ہے۔ یہ ترجمہ لکھ کر مولوی فتح محمد نے واقعی عوام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اس میں انھوں نے عالمانہ اسلوب اور دقت پسندی کو بالکل خیر باد کہہ دیا ہے۔ ہر بات کو سیدھے، بلا واسطہ اور بغیر ہیر پھیر کے بیان کر دیا ہے۔(۲۱)

جملوں میں تسلسل، ربط اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ سادگی وروانی ہے۔ ان کے ترجمہ قرآن میں زبان کا حسن وروانی اور ادب کی چاشنی ہے۔ کہیں پیچیدگی اور ابہام نہیں ہے۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین کے مطابق، اردو میں جالندھری کا ترجمہ قرآن اپنے وقت کی زبان کے اعتبار سے نہایت خوش محاورہ تھا اور حقیقت میں اس کے چھوٹے چھوٹے جملے، میٹھے میٹھے الفاظ، اس کی پیاری پیاری زبان ایسی ہے کہ اب جو بھی سنتا ہے، سر دھنتا ہے۔(۲۲)

مترجم نے شگفتہ اور شائستہ زبان استعمال کی ہے۔ ایسے الفاظ کو ترجمہ کی زینت بنایا ہے، جو مستند ہونے کے ساتھ ساتھ رائج الوقت بھی تھے۔ ترجمہ کو بامحاورہ بنانے کے لیے سادہ زبان استعمال کی ہے۔ سید ممتاز علی مالک دارالاشاعت پنجاب لاہور کے بقول، زبان کی نفاست، سلاست اور متانت، جو اس ترجمہ میں ہے، وہ اُوروں میں نہیں۔ مترجم نے جس قدر عرق ریزی، اس کے بامحاورہ اور معنی خیز کرنے میں کی ہے، اس سے زیادہ اہتمام اس کی صحت میں کیا ہے، یعنی ایک

ایک لفظ معتبر اور مستند تفاسیر کی کسوٹی پر پرکھ کر لکھا ہے۔غرض یہ ترجمہ تمام موجودہ تراجم سے ممتاز ہے(۲۳)۔اس ترجمہ قرآن سے بیسویں صدی عیسوی کے بامحاورہ تراجم کی نئی روایت کا آغاز ہوا۔زبان و بیان کے حوالے سے یہ ترجمہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔نمونہ ملاحظہ ہو:

> اور بعض لوگ ایسے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔اُن کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا، خدا نے اُن کا مرض اور زیادہ کر دیا اور اُن کے جھوٹ بولنے کے سبب اُن کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ دیکھو یہ بلاشبہ مفسد ہیں،لیکن خبر نہیں رکھتے۔(البقرہ۲:۱۰-۸)

بیسوی صدی عیسوی اردو تراجمِ قرآن کے حوالے سے دورِ انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔اس صدی کے ابتدائی تراجم میں میرزا حیرت دہلوی (۱۹۰۱ء)، سید امیر علی (۱۹۰۲ء)، مولانا وحید الزمان (۱۹۰۵ء)، مولانا اشرف علی تھانوی (۱۹۰۶ء)اور امام احمد رضا خان (۱۹۱۱ء) کے تراجم شامل ہیں۔اُس دَور میں اکثر تراجم کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح بھی شامل کی گئی ہے۔

اردو ترجمہ قرآن کے ارتقا میں مولانا اشرف علی کا ترجمہ قرآن ایک ادبی حیثیت رکھتا ہے۔اٹھارویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں صدی عیسوی کے پہلے عشرے تک جو بھی تراجم منظرِ عام پر آئے ہیں، وہ تراجم زبان کے حوالے سے تو بہت اہم ثابت ہوئے، مگر فقرے کی ساخت وہ نہ بن سکی، جو بیسویں صدی عیسوی کے تراجم میں نظر آتی ہے۔ظاہر ہے زبان آہستہ آہستہ اپنا ارتقائی سفر طے کرتی ہے۔مولانا تھانوی کے اردو ترجمہ قرآن، کو اردو ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۸ء میں ترجمہ قرآن کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا(۲۴)۔جب مولوی نذیر احمد دہلوی اور میرزا حیرت دہلوی کے تراجم قرآن پر اعتراض وارد ہوئے تو مولانا اشرف علی تھانوی نے ان تراجم کی اصلاح کے لیے اصلاح ڈپٹی نذیر احمد اور اصلاح ترجمہ حیرت دہلوی کے نام سے رسالے جاری کیے۔ ان تراجم کی اصلاح کے باوجود کوئی خاطر خواہ نتائج سامنے نہ آئے تو مولانا تھانوی نے دیگر تراجم کی طرف لوگوں کو راغب کیا،لیکن قارئین نے زبان و بیان کا عذر پیش کیا۔مولانا لکھتے ہیں کہ بعض تراجم میں اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر پیش کیا،لہٰذا تامل و مشورے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ پیش کیا جائے ،جس کی زبان و طرزِ بیان میں لوگوں کے مذاق کا پورا لحاظ رکھا جائے۔(۲۵)

مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ قرآن، بیسویں صدی عیسویں کا پہلا آسان اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔مولانا

عبدالماجد دریا آبادی کے مطابق یہ ترجمہ با محاورہ مطلب خیز ہے اور باقی ترجموں سے بے نیاز کردینے والا ہے(۲۶)۔ مترجم کا کمال یہ ہے کہ الفاظ کے لفظی اور لغوی معنی کا مفہوم واضح کیا ہے۔ مولانا تھانوی کے اس ترجمہ کو آسان اور عام فہم رکھا ہے اور تحت اللفظی کی بھی رعایت رکھی گئی ہے(۲۷)۔ مولانا کا ترجمہ قرآن سابقہ اُردو تراجم کے مقابلے میں زیادہ سلیس اور عام فہم ہے۔ زبان کی سطح پر ان کے ہاں رکھ رکھاؤ، سلیقے اور نفاست کا احساس ہے۔ مولانا تھانوی کی نثر خالص اردو زبان کی نثر ہے۔ کہیں کہیں یو پی کی زبان بھی استعمال کی گئی ہے۔ مولانا عبداللہ چھپراوی کے مطابق، یہ ترجمہ باعتبار زبان ومحاورہ کے نہ تو خالص دہلوی ہے اور نہ لکھنوی، بلکہ پوربی بہاری محاورات سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔(۲۸)

مترجم نے ہندی الفاظ کا استعمال بہت کم کیا ہے۔ عربی زبان کے الفاظ کا ستعمال بکثرت ملتا ہے۔ عربی الفاظ کے ساتھ فارسی الفاظ اور مرکبات کا استعمال بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ مولانا نے اردو کے اصل الفاظ کے بجائے عربی وفارسی الفاظ پر بہت زیادہ اکتفا کیا ہے۔ ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر، جو ان کو پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔ بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں، برابر ہیں اُن کے حق میں خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لاویں گے۔ بند لگا دیا ہے اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے سزا بڑی ہے۔(البقرہ ۲: ۶-۴)

مولانا احمد رضا خان کی یادگار تصانیف میں فتاوٰی رضویہ اور کنز الایمان ہے۔ آپ نے اردو ترجمہ قرآن کنز الایمان (۱۹۱۱ء) اپنے ایک خاص شاگرد مولانا امجد علی کے اصرار پر کیا۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی رات کو سونے سے پہلے یا دن میں قیلولہ کے وقت کاغذ، قلم اور دوات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پھر اس طرح ترجمہ قرآن کا کام مکمل ہوا۔ امام احمد رضا خان بغیر کسی معاون کتب کے سہارا لیے آیت کریمہ کی املا کرواتے جاتے اور مولانا امجد علی اسے لکھتے جاتے۔ بدرالدین احمد کے بقول:

> ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے، لیکن ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ اس سے پہلے کتب تفسیر ولغت کا ملاحظہ فرماتے، بعد آیت کے معنی کو سوچتے، پھر ترجمہ کو بیان کرتے، بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے، جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر پڑھ جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین، اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ وتفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔(۲۹)

کنز الایمان بیسویں صدی عیسوی کے تراجم میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ زبان کے حوالے سے جو مقبولیت عوام وخواص میں کنز الایمان کو حاصل ہوئی، وہ اُس دَور کے کسی دوسرے ترجمے کو نہ مل سکی۔ لفظی تراجم سے لے کر کنز الایمان جیسے بامحاورہ تراجم میں زبان کی جو تبدیلیاں ملتی ہیں، اردو تراجمِ قرآن کے ارتقا میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ کنز الایمان کی زبان صاف اور دھلی منجھی ہوئی ہے۔ لب ولہجہ میں شگفتگی اور رعنائی موجود ہے۔ لفظوں میں فصاحت و بلاغت ہے۔ روزمرہ کے الفاظ بازاری اور دیہاتی بولیوں سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اردو کے خالص الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

کنز الایمان کے منفرد اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر غلام غوث قادری لکھتے ہیں کہ ترجمہ میں امام احمد رضا خان نے جو اسلوب اپنایا ہے بلاشک وشبہ تقریری ہے نہ تحریری، بلکہ ان دونوں سے الگ ایک ایسا انداز ہے، جس میں کلامِ الٰہی کے حسن و رعنائی کی جھلک بھی موجود ہے اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ قرآنی اسلوب کی انفرادیت اور چاشنی بھی(۳۰)۔ ڈاکٹر طاہر القادری کے خیال میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن، الفاظِ قرآنی کی توجہ اتحادی کے فیضان سے معمور ہے۔ جو حسن وخوبی، ربط ونظم اور روانیِ بیان، الفاظِ قرآنی میں ہے، ان کی جھلک اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن میں بہ درجۂ اتم دکھائی دیتی ہے(۳۱)۔ ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

> اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے، اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے، اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں، اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر، اور زمین پر اِتراتا نہ چل، اور میانہ چال چل، اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔ (لقمان ۳۱:۱۹-۷)

احمد رضا خان نے خوب صورت اور شائستہ زبان استعمال کی ہے۔ یہ ترجمہ قرآن لفظی ہونے کے ساتھ بامحاورہ بھی ہے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں کہ ترجمۂ امام احمد رضا خان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لفظی ترجمہ کے محاسن کے حوالے سے قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، اور اس ترجمہ نے بامحاورہ ترجمے کے محاسن کو بھی اس خوبی کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا ثقل محسوس نہیں ہوتا(۳۲)۔ اردو جملہ، فارسی وعربی جملے کی ساخت سے کافی حد تک آزاد ہے۔ ترجمہ کو سلیس اور بامحاورہ بنانے کے لیے اردو کے خالص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ فارسی اسلوب کو اردو اسلوب میں ڈھالنے کی سعی ہے۔ جس سے اردو ترجمہ قرآن کی روایت میں ایک نیا اسلوب سامنے آیا ہے۔ کنز الایمان اردو قرآنی تراجم میں نئے طرزِ احساس کا ترجمان ہے۔

مترجم نے ترجمہ کو عام فہم بنانے کے لیے آسان ہندی اور خطہ روہیل کھنڈ کی زبان استعمال کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے أوتو الکتاب اور اھل الکتاب کا ترجمہ 'کتاب والو' اور 'کتابیو' کیا ہے۔ عصمت حنیف کے بقول، جب امام احمد رضا خان

نے اپنا ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن پیش کیا تو اُس وقت بریلی اور قرب و جوار کے علاقوں پر روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان کا تسلط تھا۔ گویا وہاں کے باشندے خود اہلِ زبان تھے اور اہلِ زبان اپنی زبان کے پوری طرح ہیرو ہوتے ہیں، بلکہ اپنی زبان کی اقتدا کرنا واجب تصور کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے قرآن مجید کا ترجمہ روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان میں کیا ہے۔(۳۳)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بیسیوں کتب تصنیف کیں، مگر آپ کا شاہکار علمی کام اردو ترجمہ قرآن وتفسیر تفہیم القرآن کے نام سے ہے۔ آپ کے ترجمہ قرآن کو اردو ادب میں ایک ادبی مقام حاصل ہے۔ خرم بدر کے بقول، مولانا کی تمام کتابوں کی دینی و علمی حیثیت تو ہے ہی، ادبی خوبیوں کی وجہ سے بھی مولانا کی کتابیں بہت بلند مقام کی حامل ہیں۔ ان کی زبان آسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی خوب صورت اور غلطیوں سے پاک ہے(۳۴)۔ شروع شروع میں مولانا مودودی، شبلی نعمانی اور ابوالکلام آزاد کے طرز نگارش سے متاثر رہے، لیکن بعد میں انھوں نے اپنا الگ اسلوب پیدا کیا۔ یہ اسلوب ان کی تقریروں اور تحریروں میں نمایاں ہے۔

مولانا مودودی کو ایک مترجم کی حیثیت سے اردو زبان و ادب میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ انھیں علم و بیان پر کامل دسترس حاصل تھی۔ مولانا نے ۱۹۷۲ء میں جب اردو ترجمہ قرآن مکمل کیا تو اس وقت اردو نثر اپنا لوہا منوا چکی تھی، مگر اردو ترجمہ قرآن کی روایت میں مترجم نے ایک نیا موڑ دیا اور اردو کا خالص اسلوب اپنایا ہے۔ مولانا کے ترجمہ قرآن میں سادگی و روانی ہے۔ اس میں سادہ زبان استعمال کرکے، عبارت کو ایجاز و اختصار کی خوبی سے نوازا ہے۔ ذخیرۂ الفاظ کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ مولانا مودودی پہلے مترجم ہیں، جنھوں نے لفظی ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمانی کا آغاز کیا۔ الفاظ و محاورات کا استعمال بھی موقع و محل کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ انھی خوبیوں کی بنا پر ہم اسے بیسویں صدی عیسوی کا پہلا بامحاورہ اور آسان ترجمہ قرار دیتے ہیں۔

مولانا کا اسلوب متین و باوقار ہے۔ ان کی تحریروں میں زبان کا حسن اور ادبی چاشنی پائی جاتی ہے۔ مولانا کے اسلوب کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اردو ترجمہ قرآن کی روایت میں اردو کی نئی زبان لکھنے کا آغاز کیا۔ یہی وہ زبان ہے، جس کی اب تک تمام مترجم پیروی کر رہے ہیں۔ مولانا فتح محمد خان جالندھری، مولانا تھانوی اور احمد رضا خان بریلوی کے ہاں کسی حد تک پرانی اردو کے اثرات باقی رہ گئے تھے، مثلاً آوے، جاوے، کرکر وغیرہ۔ مولانا مودودی نے وہ زبان لکھی، جو مخصوص طبقات کے بجائے پورے برصغیر کے مسلمانوں کو راس آ گئی۔ مولانا کے اسلوبِ بیان میں ہمیں دو طرز کا اسلوب نظر آتا ہے۔ ایک جس میں زورِ بیان اور دوسرے سنجیدگی اور اعتماد کی فضا ہے۔ مولانا کے اسلوب میں ادبی خوبیاں اور فکری لطافتیں سموئی ہیں۔

اردو تراجم قرآن کے ارتقائی سفر میں مولانا مودودی پہلے مترجم ہیں، جنھوں نے اردو ترجمہ قرآن میں پیراگراف

بندی کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور ترجمے میں عربی و فارسی کے مشکل الفاظ کے بجائے اردو کے قریب ترین الفاظ لانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

> ایک روز بادشاہ نے کہا! ’مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں، جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔ اے اہلِ دربار، مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔‘ لوگوں نے کہا: ’یہ تو پریشان خوابوں کی باتیں ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے‘۔ (یوسف ۱۲: ۴۴-۴۳)

مولانا مودودی سے ماقبل جو بھی تراجم منظرِ عام پر آئے، وہ روحِ قرآن کو اردو زبان میں منتقل نہ کر سکے۔ ان میں وہ زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت نہ آسکی، جو مولانا کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت کا سبب بنی۔ سید افضال حسین نقوی کے بقول، ’’سید مودودی سے ماقبل تراجم قرآن میں جہاں زبان کی اجنبیت کا احساس ہوتا ہے، وہاں تاثیر، فصاحت و بلاغت اور روحِ قرآن کی کمی بھی کھٹکتی ہے۔ یہ تراجم عقل کو اپیل نہیں کرتے اور نہ قرآن کی معجزاتی زبان کو اس کی الہامی قوت کے ساتھ قاری تک منتقل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کو اس کے حسنِ وانشا، لسانی، ادبی بانکپن، لفظی طمطراق اور اس کے تاثیر کے ساتھ اگر کسی عالم نے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ سید مودودی ہیں‘‘(۳۵)۔ مولانا کو ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے اردو لغت پر پورا عبور حاصل تھا۔ حکیم خواجہ اقبال ندوی لکھتے ہیں کہ ’’سید مودودی قرآن کے ایک لفظ کا مفہوم متعین کرنے کے لیے کبھی دس دس، بارہ بارہ دن کلام عرب، لغت، تفاسیر اور احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں‘‘۔ (۳۶)

پیر محمد کرم شاہ کے علمی کارناموں میں ضیا القرآن اور ضیاء النبی قابلِ ذکر ہیں۔ پیر محمد کرم شاہ نے جب اردو ترجمہ قرآن جمال القرآن لکھنا شروع کیا تو اس وقت اردو زبان اپنا ایک مقام پیدا کر چکی تھی۔ جملے اور بناوٹ میں پختگی آ چکی تھی۔ اسی طرح مترجم نے بھی اپنے ترجمہ قرآن میں اردو کی سادہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ مترجم نے جو اسلوب اپنایا ہے، وہ بلا شک وشبہ اردو کا خالص اسلوب ہے۔ ان کے ترجمہ قرآن میں کلام میں فصاحت و بلاغت ہے۔ خوب صورت اور شائستہ زبان استعمال کی ہے۔ الفاظ کے برمحل استعمال نے ترجمہ قرآن کو مقبول بنا دیا ہے۔ ترجمہ کو بامحاورہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی تراجم ہوئے ہیں وہ یا تو لفظی تراجم تھے یا بامحاورہ، لیکن مترجم نے لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کر کے قرآنی تراجم کی نئی روایت قائم کی ہے۔

جمال القرآن میں ربط، تسلسل اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ عربی و فارسی الفاظ کے بجائے اردو کے خالص الفاظ کو لانے کی سعی کی ہے۔ اگر کہیں عربی و فارسی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو وہ اردو جملے میں اس طرح سمو دیے گئے ہیں کہ ان پر عربی و فارسی جملے کا اثر باقی نہیں رہتا۔ جمال القرآن میں ادبی رنگ واضح جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ پروفیسر احمد بخش لکھتے ہیں:

''اردو ادب میں بے شک ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور شورش کاشمیری کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، لیکن حضور ضیاء الامت کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ با مقصد اور جاندار تحریر میں، آپ اردو ادب کے صفِ اول کے ادیبوں سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں''۔(۳۷)

ترجمہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

''اور اگر ہم چاہتے تو کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث، لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہشوں کی۔ اس کی مثال کتے جیسی ہے، اگر تو حملہ کرے اس پر، تب بھی ہانپے اور اگر تو اس کو چھوڑ دے، تب بھی ہانپے۔ یہ حال ہے ان لوگوں کا، جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ اور وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ جسے ہدایت بخشے اللہ تعالیٰ، سو وہی سزا یافتہ ہے اور جنھیں گمراہ کر دے، تو آپ سنائیں تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور بے شک ہم نے پیدا کیے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان، ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے، اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے، اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے، وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ تو غافل و بے خبر ہیں''۔(الاعراف ۱۷۶:۷)

جمال القرآن کے بعد بہت سے تراجم منظرِ عام پر آئے، مگر اکیسویں صدی عیسوی میں جو مقبولیت عرفان القرآن کو حاصل ہوئی، وہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے سیاسی وتہذیبی حالات وواقعات کے تغیر وتبدل سے اردو زبان میں ہونے والی تبدیلی اور ارتقا کے پیشِ نظر ایسا اسلوب اپنایا ہے، جو سائنسی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور لسانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، جسے ہم اردو کا سائنسی اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ ترجمہ میں تسلسل، روانی اور ربط ملتا ہے۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے ایسے حسین الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں، جو نہ صرف جدید لب ولہجہ کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ آیت کے مفہوم کو بھی آسان بنا دیتے ہیں۔ جس سے فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ ادبیت کا رنگ بھی جھلکتا نظر آتا ہے۔ زبان میں تازگی اور شگفتگی ملتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی کے بقول، عرفان القرآن کمال شستگی، سلاست اور حسنِ بیان کا حامل ہے۔ اس کا لہجہ تازگی اور شگفتگی لیے ہوئے ہے۔ جہاں یہ آج کے لہجے میں قاری سے ہم کلام ہوتا ہے، وہاں یہ بیان کے تازہ پن کا حامل بھی ہے۔(۳۸)

ڈاکٹر طاہر القادری کے ترجمہ قرآن کی بہت بڑی خوبی سائنسی اصطلاحات ہیں۔ اس سے پہلے اردو مترجمین ان سائنسی آیات کا کوئی موزوں اور مناسب ترجمہ نہ کر سکے۔ انسان کی تخلیق اور ارتقا کے حوالے سے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> اے لوگو! اگر تمھیں (مرنے کے بعد) جی اٹھنے میں شک ہے تو (اپنی تخلیق وارتقا پر غور کرو) کہ ہم نے تمھاری تخلیق (کی کیمیائی ابتدا) مٹی سے کی پھر (حیاتیاتی ابتدا) نطفہ (ایک تولیدی قطرہ) سے پھر (رحمِ مادر کے اندر جونک کی صورت میں) معلق موجود سے پھر ایک ایسے لوتھڑے سے جو دانتوں سے چبایا ہوا لگتا ہے، جس میں بعض اعضا کی ابتدائی تخلیق نمایاں ہو چکی ہے اور بعض کی تخلیق ابھی عمل میں نہیں آئی، تاکہ ہم تمھارے لیے (اپنی قدرت اور اپنے کلام کی حقانیت) ظاہر کر دیں۔(المومنین ۱۹:۲۳)

اٹھارویں صدی عیسوی سے لے کر موجودہ دَور تک جتنے قرآنی تراجم شائع ہوئے، انھوں نے اردو زبان کے ارتقا اور فروغ میں اہم کردار ادا کیا؛ اسی طرح اکیسویں صدی عیسوی بھی اردو تراجم کے لیے اہم ثابت ہوئی۔ بہت سے تراجم منظرِ عام پر آئے، مگر جو مقبولیت محمد طاہر القادری کے 'عرفان القرآن' کو ملی، وہ کسی اَور ترجمے کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی بڑی وجہ اس ترجمہ قرآن کا تازہ اسلوب ہے، جو جدید سائنسی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور لسانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

درج بالا گفتگو سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کے ارتقائی مراحل کو سمجھنے اور بدلتی ہوئی لسانی رویوں کو سمجھنے کے لیے اب تک ہونے والے تراجمِ قرآن کا مطالعہ کس قدر مفید ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں پیشِ نظر رکھے گئے تراجم کے علاوہ دیگر اردو تراجم پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس تجزیے سے ایک طرف کسی ترجمے کے عہد کے مذہبی رجحانات، معاشرتی و سیاسی اور ثقافتی و سائنسی اور فکری و نظری میلانات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو دوسری جانب ہر دَور کے مستعمل اور متروک الفاظ سے آگہی ہوتی ہے۔ مزید برآں اردو زبان پر دیگر زبانوں، مثلاً کھڑی بولی، فارسی، عربی اور انگریزی وغیرہ کے عہد بعہد اثرات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم: ''برِصغیر میں مطالعہ قرآن''، مطبوعہ ''فکر ونظر''، اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۷

(۲) جمیل نقوی: ''اُردو تفاسیر'' (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷

(۳) ڈاکٹر احمد خان: ''قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص ۴ (۴) ایضاً

(۵) ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو''، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب اردو ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۵۹

(۶) ڈاکٹر محمد ایوب قادری: ''اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ''، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۰ء، ص ۳۵ (۷) ایضاً

(۸) ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو''، جلد دوم، لاہور: محولہ بالا ۵، ص ۱۰۵۵ (۹) ایضاً، ص ۱۰۵۴ (۱۰) ایضاً

(۱۱) مولوی عبدالحق: ''پرانی اردو میں قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر''، مطبوعہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' (قرآن نمبر)، لاہور: ۱۹۷۰ء، ص ۶۱۹

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اردو''، جلد دوم، لاہور: بحولہ بالا ۵، ص ۱۰۵۹　　(۱۴) ایضاً، ص ۱۰۶۲

(۱۵) ڈاکٹر محمد ایوب قادری: ''اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ''، لاہور: بحولہ بالا ۶، ص ۳۶

(۱۶) مولوی عبدالحق: ''پرانی اردو میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر''، مطبوعہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' (قرآن نمبر)، لاہور، ص ۶۱۹

(۱۷) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین: ''قرآن حکیم کے اردو تراجم''، کراچی: قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، ۱۹۸۱ء، ص ۲۳۲

(۱۸) ڈاکٹر خلیق انجم: ''ترجمہ نگاری''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص ۸۹

(۱۹) مولوی عبدالحق: دیباچہ ''ترجمۃ القرآن''، مشمولہ ''جامع المصاحف''، طبع دہم، ص ۸، بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی: تاریخ ادب اردو، جلد دوم، لاہور: بحولہ بالا ۵، ص ۱۰۶۲

(۲۰) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین: ''قرآن حکیم کے اردو تراجم''، کراچی: بحولہ بالا ۱۷، ص ۲۶۲

(۲۱) ایضاً　　(۲۲) ایضاً، ص ۱۹۱　　(۲۳) ایضاً، ص ۲۶۴

(۲۴) *Words Biblography of Translation of the Meaning of the Holy Quran Quran 1515 to 1980 by Research Centre for Islamic History (Istanbol, First E.D 1986) p-546.*

(۲۵) مولانا اشرف علی تھانوی: ''مقدمہ مکمل بیان القرآن''، کراچی: میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، س ن

(۲۶) ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین: ''قرآن حکیم کے اردو تراجم''، کراچی: بحولہ بالا ۱۷، ص ۵۱

(۲۷) مولانا اشرف علی تھانوی: ''مقدمہ مکمل بیان القرآن''، کراچی، بحولہ بالا، ص ۲۵

(۲۸) مولانا عبداللہ چھپراوی: ''البیان التراجم القرآن''، کلکتہ: اردو پریس، ۱۳۴۶ھ، ص ۲۸، بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین: 'بیان القرآن (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک تحقیقی جائزہ)'، مطبوعہ ''فکر و نظر''، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی بحولہ بالا ۱۱، ص ۱۸۵

(۲۹) بدرالدین احمد: ''سوانح اعلیٰ حضرت''، سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۴۷

(۳۰) ڈاکٹر غلام غوث قادری: 'کنزالایمان کی انشا پردازی'، مطبوعہ ''انوار کنزالایمان''، جوہر آباد: انٹرنیشنل غوثیہ فورم، ۲۰۱۰ء، ص ۵۰۱

(۳۱) ڈاکٹر طاہر القادری: ''کنزالایمان کی فنی حیثیت''، لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷

(۳۲) ڈاکٹر مجید اللہ قادری: ''کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات''، مطبوعہ ''معارف رضا''، کراچی: ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

(۳۳) مولانا تبسم شاہ بخاری: ''کنزالایمان پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ''، مطبوعہ ''انوار کنزالایمان''، جوہر آباد، بحولہ بالا ۳۱، ص ۳۶۸

(۳۴) خرم بدر: ''سید مودودی کی سیاسی زندگی''، کراچی: صبا پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۱

(۳۵) سید افضال حسین نقوی: روزنامہ ''جسارت'' (مولانا مودودی نمبر)، کراچی، ۱۹۹۲ء

(۳۶) حکیم خواجہ اقبال ندوی: ''تذکرہ سید مودودی''، لاہور: المنار بک سنٹر منصورہ، ۱۹۹۷ء، ص ۵۷

(۳۷) ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس: 'ضیا القرآن، تعارف، منہج و اسلوب'، مطبوعہ ''ضیائے حرم''، لاہور: (ضیاء الامت نمبر)، ضیا القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۰۹

(۳۸) ڈاکٹر طاہر حمید تنولی: ''اردو تراجم قرآن میں عرفان القرآن کا امتیازی مقام''، لاہور: منہاج القرآن پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۱۷